جمہوریت

اپنے آئینے میں

مولانا محمد میاںؒ

الجمعیۃ اکیڈمی پشاور

Scanned with CamScanner

جمہوریت

اپنے آئینے میں

مولانا محمد میاںؒ

الجمعیۃ اکیڈمی پشاور

Scanned with CamScanner

جملہ حقوق محفوظ ہے۔

نام مصنف: حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

ناشر: حاجی احسان الحق ناظم الجمعیۃ اکیڈمی

تعداد: ایک ہزار

تاریخ: 2015

قیمت:

Scanned with CamScanner

ابتدائیہ

آج اجتماعیت کا دور ہے۔ معاشیات اور اعتقادات کی جنگ ہے۔
قومی اور بین الاقوامی جھگڑوں کا زمانہ ہے۔ شاہی نظام جو کئی صدیوں سے چل رہا تھا ٹوٹنے لگا ہے اور اس کی جگہ جمہوری حکومتوں کا آغاز ہوا۔ جمہوریت کی سیاست نے ملوکیت اور شاہی نظام کو ختم کیا اس طرح سیاسیات عالم کا ایک باب مکمل ہو گیا۔

جمہوریت کا آغاز مشینی ترقی کے اس دور میں چونکہ یورپ سے ہوا۔
اور یورپ بشمول امریکہ کی ظاہری شان و شوکت نے جب پہلے پہل ایشیائی علاقے کا ہمارے نوجوانوں، عام افراد اور مختلف طبقات پر یہ اثر ہوا کہ وہ یورپ کی ہر ادا کو محبوب، اس کی ہر حرکت، ہر نظریہ اور ہر فیصلہ کو ناقابل شکست سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف جو کچھ ہے غلط اور باعث انحطاط سمجھتے ہیں۔

چونکہ یورپ نے سیاست کو مذہب سے الگ کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سیاست اور خصوصاً بین الاقوامی سیاست کسی ضابطۂ اخلاق کی پابند نہ رہی جس کی وجہ سے ہر قسم کی عہد شکنی اور غداری جائز قرار پائی۔ اس کے ساتھ ہی یورپ کی صنعتی ترقی نے

سرمایہ پرستی نے جنم لیا۔ اور اس طرح دونوں نے مل کر خوفناک جنگیں پیدا کیں۔

یہ جمہوری نظام اگرچہ ظاہری نظر میں عام انسانوں کے لئے خوش کن تھا مگر اندر ہی اندر اس نظام میں اس قدر سرمایہ پرستی، خود غرضی اور یورپین قومیت کی لعنت گھس گئی۔ کہ عام انسانی دنیا ابتدائے عالم سے اس قدر ہلاکت اور بربادی کا شکار نہ ہوئی تھی جتنی کہ اس فریبانہ جمہوریت اور نام نہاد خدمت خلق سے ہونے لگی۔ یہ نظام کسی طرح بھی امنِ عالم اور حقیقی خدمت خلق کا متکفل نہیں ہو سکتا۔ اس کا ملعون اثر آج آفتاب سے زیادہ دنیا میں ظہور پذیر اور عیاں ہے۔

موجودہ روایتی جمہوریت میں انتخاب ہوتا ہے اور منتخب لوگ پارلیمنٹ کے رکن بنتے ہیں انتخاب کے سارے مراحل کیلئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے پروپیگنڈہ، ووٹوں کی خرید اور اجتماعات کئے جا سکیں اور یہ سرمایہ صرف جاگیردار و صنعت کار ہی خرچ کر سکتا ہے اور وہ ہی منتخب ہوتے ہیں اور منتخب لوگ حکمرانی کرتے ہیں اور یوں جمہوریت کی آڑ میں آمریت قائم کر دی جاتی ہے چونکہ یہ پارلیمانی نظام صرف الفاظ کی جنگ ہے۔ اس لئے اس سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ حل ہرگز نہیں ہوتے۔

مروجہ جمہوریت میں پارلیمانی نظام چند مخصوص افراد تک محدود ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ بہت سے افراد ہونگے جو ان لوگوں سے فہم و فراست کے اعتبار سے زیادہ ذہین اور قابل ہوں گے اور یہ منتخب لوگ جاہ پسند، عقل و دانش میں کم

اور قوم کے حقیقی بہی خواہی کا جذبہ نہ رکھتے ہوں لیکن یہ حکمران ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ جمہوریت چند انسانوں کی غلامی ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ولی اللّٰہی جماعت کے نامور مورخ اور ممتاز علمی شخصیت مولانا سید محمد میاںؒ نے مغربی طرزِ جمہوریت کو بے نقاب کیا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے شورائی نظام کا خاکہ پیش کیا۔ جہاں اصحابِ شوریٰ قوم کے عقلا، حکما اور ماہرین ہوں۔ اس شوریٰ کا رکن کوئی غریب سے غریب آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ اور وہ غریب مگر صاحبِ علم آدمی اسلامی حکومت کے بڑے سے بڑے عہدیدار کے سامنے بھی وہ بات کر سکتا ہے جو حق ہو۔ یہاں اعتبار دنیوی دولت کو ہرگز نہیں۔

اس کی عمدہ مثال حضرت عمرؓ کی ہے کہ ایک بدوی کپڑے کے تقسیم کے بارے میں جمعہ کے دن امیر المومنین سے بھرے مجمع میں سوال کرتا ہے۔ اور امیر المومنین خود بیٹھ کر اپنے فرزند کو وضاحت کے لئے کہتے ہیں یہاں پر امیر المومنین نے گرفت رکھا کا حکم نہیں دیا ہے۔ جمہوریت۔ کہ سربراہ مملکت اپنے آپکو خادم سمجھتے ہیں حاکم نہیں۔

آج کے دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مروجہ نظاموں اور شورائی نظام کا مطالعہ کیا جائے اور معروضی حقائق کی بنیاد پر ایسے نظام کے قیام

کی سعی اور جدوجہد کی جائے جس میں حقیقی عوامی راج ہو۔ اور جس میں انسانیت کی ہمہ جہت حقوق کی پاسداری کی گئی ہو۔ ہماری نظر میں یہ صرف صرف اسلام کا شورائی نظام ہی ہو سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

شخصی حکومت ملوکیت اور جمہوریت

شخصی حکومت اور ملوکیت میں فرق کرنا ہوگا اور یہ بات بھی قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ کہ جمہوریت ہر حال میں شخصی حکومت سے بہتر ہے۔

نظامِ حکومت کی کامیابی یہ ہے کہ ملک خوشحال، ترقی پذیر اور سماج و معاشرہ پُرامن و مطمئن ہو۔ اگر جمہوریت اس مقصد کو پورا نہیں کرتی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف الفاظ کی مالا جپی جائے اور خلقِ خدا کو مصیبت میں ڈالا جائے۔ اگر ایک حکمران مسلّمہ دستور اور مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں کا اتنا ہی پابند ہے جیسا کسی جمہوریت کا وزیرِ اعظم پارلیمنٹ کے فیصلوں کا پابند ہوتا ہے۔ تو اس کی بادشاہت اسی حد تک قابلِ مذمت رہ جاتی ہے کہ اس نے ملک کو وراثت قرار دے رکھا ہے۔ اس کی ملوکیت کو فرعونیت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

اسلام اس درجہ کی ملوکیت کو بھی پسند نہیں کرتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس کو بھی "ملک عضوض" (کاٹ کھانے والی حکومت) فرمایا ہے، لیکن اگر قوم حسنِ انتخاب کی صلاحیت سے محروم ہے تو اسلام ایسے بادشاہ کے خلاف بغاوت کا حکم بھی نہیں دیتا۔

اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام جس طرح ملوکیت کی ہر ایک قسم سے بیزار ہے۔ مسلمانوں کے عمل نے بادشاہت سے بیزاری کا ثبوت نہیں دیا۔ مگر اس کا سبب اربابِ حل و عقد اور رہنمایانِ ملّت کی بزدلی، بے حسی یا موقع پرستی نہیں، بلکہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ابتداء کے چند خلفاء کے بعد ایسا دور کبھی نہیں آیا کہ قرآنی اصول

یعنی بہتر اخلاق و کردار (تقویٰ) کے معیار پر انتخاب کیا جاتا۔ دوسری طرف مسلمان بادشاہوں کی غالب اکثریت وہ رہی ہے جو مطلق العنانی کے باوجود قانون کے پابند رہی۔ فوجی امور میں بیشک وہ آزاد رہا کرتے تھے۔ مگر عدالت میں بادشاہ اور عام باشندۂ ملک کی حیثیت یکساں ہوتی تھی۔

جماعت اور پارٹی کے مینوفسٹو کی بنیاد پر انتخاب بیشک یورپ کی ایجاد ہے مگر ایک دو ملک کو چھوڑ کر پوری دنیا کے تمام ممالک کا تجربہ یہ ہے کہ مینوفسٹو کا خواب شرمندۂ تعبیر (شرمندۂ تعبیر ہوتا) شاذ و نادر ہی شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے۔ انتہا یہ کہ الکشنی وعدہ اور دھوکہ دھی کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات فراموش نہ ہونی چاہیئے کہ ایک پارلیمنٹ یا کیبنٹ فرعون نے بھی بنا رکھی تھی (قرآن حکیم نے اسکو لفظ "ملاء" سے تعبیر کیا ہے) والملأ جماعة يجتمعون على راى (المفردات)

مگر بدقسمتی یہ تھی کہ اس ملاء (پارلیمنٹ یا کیبنٹ) کا مذہب فرعون پرستی تھا۔ اسی پارلیمنٹ نے فرعون کو مشتعل کرنے کے لئے کہا تھا۔

"کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور اسکی قوم کو چھوڑ دیں گے۔ کہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور آپ کو اور آپکے معبودوں (دیوتاؤں) کو ترک کردیں"۔

جس کا جواب فرعون نے دیا تھا۔

ہم انکے لڑکوں کو تکا بوٹی کر دینگے۔ اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ (کہ ہماری باندیاں بن کر رہیں) ہمیں انکے اوپر پورا قابو ہے"۔

اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:-

Scanned with CamScanner

"خدا سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ بلاشبہ ملک اللہ کا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا (وہ تم کو بھی وارثِ ارض بنا سکتا ہے) انجام کار انہیں کے لیے ہوگا۔ جو متقی ہوں گے"۔ (سورۂ اعراف ع۷ آیت ۱۲۵ تا ۱۲۸)

مطلب یہ ہے کہ اگر پارلیمنٹ یا اس کی اکثریت کا مزاج فسطائی ہو تو یہ جمہوریت بھی فرعونیت ہے۔

جمہوریت پر ایک نظر

کوئی بھی موسم ہو اس موسم کے خاص پھل کی بہار ہوتی ہے۔ زبانوں پر اس کا تذکرہ ہوتا ہے، دلوں میں اسکی رغبت اور خواہش، بازار اور منڈیوں میں اس کی کثرت ہوتی ہے۔ تجربہ نے چہرہ جمہوریت کے خوشنما اور دلکش غازہ کو بڑی حد تک کھرچ دیا ہے۔ تقریباً چالیس سال پہلے کا دور وہ تھا جس میں یورپ کی استعمار پسند حکومتیں دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ وہ دورِ تصورِ جمہوریت کا موسم بہار تھا۔ شکنجۂ استعمار میں کسی ہوئی قوموں کے مضطرب جذبات تصورِ جمہوریت کا استقبال کر رہے تھے۔ اور یہ تصور اہل دانش، اہل نظر اور اصحاب فکر کی عقل و دانش پر یہاں تک چھایا ہوا تھا کہ وہ کھینچ تان کر اسلام کو بھی اپنی ہی صف میں کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ کہ جمہوریت کے جس تخیل کو وہ متاعِ بے بہا سمجھ رہے ہیں۔ اسلام بھی اسی کی تعلیم دینا ہے اور بازارِ سیاست میں اس کا خریدار ہے۔

لیکن اگر ہم جذبات سے بالا ہو کر حقیقت کو سامنے رکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی

Scanned with CamScanner

مذہب جمہوریت کی موافقت نہیں کر سکتا۔ جس طرح جمہوریت اگر صحیح معنی میں جمہوریت ہے۔ تو وہ مذہب کے تابع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہم جمہوریت کے ثنا خوان و مداح اس لئے ہوتے ہیں کہ اس میں عوام کو آزادی میسر آتی ہے۔ رائے کی آزادی، فکر کی آزادی، تحریر کی آزادی، تقریر کی آزادی، مطلق العنان جمہوریت یعنی بے لگام آزادی، حالانکہ کوئی بھی مذہب اس مطلق العنان، بے لگام اور منہ چھوٹ آزادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہر ایک مذہب اخلاق کا طوق زریں انسان کے گلے میں ڈالتا ہے۔ اس کا اصل اصول ہوتا ہے۔ پابندی، فرمانبرداری ضبط و کنٹرول، ایثار و قربانی اس کے برعکس مطلق العنان آزادی جو جمہوریت کا طرۂ امتیاز مانی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ آوارگی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

آپ تحقیق فرمائیں تو مہذب ترین جمہوری ممالک کاروباری ضابطوں اور قاعدوں میں وہ خواہ کتنے ہی بااصول ہوں، مگر اخلاق، کردار، روحانیت، خوف خدا اور خدا پرستی کے لحاظ سے وہ آوارہ اور شورہ پشت ہیں۔

بے شک جمہوریت کا یہ رخ قابل قدر ہے کہ اصولاً ایک فرقہ کو دوسرے پر مسلط نہیں کرتی اگرچہ عملاً اس سے نجات بھی نہیں مل سکتی کیونکہ اکثریت اگر کسی ایک فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ تو وہ لامحالہ اپنی چھاپ جمہوریت پر ڈال دیتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے۔ کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کے ہم رنگ ہونا۔

فریب نظر اور طلسم جمہوریت اور ڈیموکریسی کے ثنا خواں جمہوریت کی یہ خوبی بیان کرتے ہیں کہ جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ جمہور کو حاصل ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

حکومت جمہور کی ہوتی ہے۔ اصل اختیارات جمہور کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے لیئے اپنی مرضی کے مطابق دستورِ اساسی (CANSTITUTUTAN) اور قانون تجویز کر سکتے ہیں ؛ لیکن حقیقت پسندانہ نظر ڈالی جائے تو یہ تمام الفاظ طلسم اور جادو کے منتر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، جو دماغوں کو مسحور ضرور کر لیتے ہیں۔ مگر حقیقت اور واقعیت سے آشنا نہیں ہوتے۔

جمہور کے پاس ووٹ کی طاقت ضرور ہوتی ہے۔ مگر کیا اس حقیقت سے انکار ہو سکتا ہے۔ کہ جس طرح گری نکال دینے کے بعد بادام کا چھلکا کوڑا کرکٹ یا ایندھن بن جاتا ہے۔ ووٹ دینے والے بھی ووٹ دینے کے بعد بے مغز پوست بلکہ گرد پا بن جاتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ مغز ہی اصل ہے، بادام کی گری ہی بادام کا حاصل ہے۔ اگر گری کام کر رہی ہے تو بادام بے کار نہیں گیا۔ اور ضائع نہیں ہوا۔ عوام کے نمائندے قانون بنا رہے ہیں۔ تو وہ قانون عوام ہی کا بنا ہوا قانون ہے۔ اگر وہ نمائندے حکومت کر رہے ہیں تو وہ عوام ہی حکومت ہے۔

مگر کیا واقعی یہی ہوتا ہے۔ کہ قانون عوام کے نمائندے بناتے ہیں۔ اور عوام کے نمائندے ہی حکومت کرتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ اسّی ۸۰ فیصد نمائندے وہ ہوتے ہیں۔ جو قانون بنانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ سینکڑوں ممبروں کے ایوان میں چند افراد کی کمیٹی بنا دی جاتی ہے جو قانون کا مسودہ تیار کرتی ہے۔ اصل واضع قانون یہ کمیٹی ہوتی ہے۔ دس پندرہ فیصد وہ ہوتے ہیں۔ جو قانون کو سمجھتے

ہیں۔ باقی تعداد جو سینکڑوں کی ہیبت انگیز اور مرعوب کن تعداد ہوتی ہے اس دس فیصد کی تقلید کرنے والی ہوتی ہے۔

جمہوریہ ہند کا دستور اساسی جن پر منکرین ہند کو ناز ہے۔ اور جس کا وہ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ بے شک وہ مجلس دستور ساز کا منظور کردہ ہے۔ جس کے ارکان کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی۔ جس میں اقلیتوں کو بھی مناسب نمائندگی دی گئی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا مسودہ ایک کمیٹی نے تیار کیا اور کمیٹی کے ارکان نے بھی سہولت کار کے لئے تدوین اور ترتیب کا کام ایک قابل شخص (ڈاکٹر امبیڈکر) کے سپرد کر دیا تھا۔ مسودہ تیار کرنے میں کمیٹی کے ارکان بھی وقتاً فوقتاً انکی مدد کر دیتے تھے۔ بیشک وہ مسودہ ارکان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسمبلی کے اجلاس میں اس کی ایک ایک دفعہ پڑھی گئی۔ اس میں ترمیمات بھی ہوئیں۔ لیکن یہ سب نقش و نگار کی تبدیلیاں تھیں۔ بنیادی ستون وہی رہے ہیں۔ جن کی بنیاد ڈاکٹر امبیڈکر نے ڈالی تھی اور اگر ہم اس نمائش ہی کو حقیقت گردان لیں۔ اور تسلیم کر لیں کہ دستورِ اساسی، دستور ساز اسمبلی ہی ارکان نے مرتب کیا تھا اور ہر ایک رکن وضع قانون اور ترتیب دستورِ اساسی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ اور اس نے تدوین و ترتیب میں پوری توجہ اور دماغ سوزی سے کام لیا تب بھی ظاہر ہے۔ کہ اس دستورِ اساسی اور اسکے دفعات کی منظوری اکثریت کی رائے پر موقوف تھی اور ایوان میں اگر ایک پارٹی مثلاً کانگریس کی اکثریت تھی تو یہ دستورِ اساسی ایک پارٹی کا دستور ہوا۔ اور جمہوریت کا مصداق صرف یہی اکثریت ہوئی۔

پھر یہ ہو سکتا ہے کہ اس پارٹی کے ووٹوں کی مجموعی تعداد مخالفین کی تعداد سے کم ہو مثلاً جمہور کے تیس فیصد ووٹ کانگریس کو ملے اور ستر فیصد ووٹ دوسری پانچ چھ پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تو بیشک ایوان میں اکثریت کانگریس کو حاصل ہو گئی۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ مصنوعی اکثریت تیس فیصد کی نمائندگی کرتی ہے اور اب جمہور کا اطلاق صرف تیس فیصد پر ہو رہا ہے۔

یہ دستورِ اساسی کے وضع و ترتیب کی صورت تھی جس کو تمام قوانین میں بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جملہ قوانین اس ڈھانچہ کا گوشت پوست ہوتے ہیں۔ جو دستور ساز اسمبلی دستورِ اساسی کی صورت میں تیار کرتی ہے۔

دستورِ اساسی کے علاوہ عام قانون جو اجلاسوں میں پیش ہو کر منظور ہوتے رہتے ہیں۔ اور جمہوریت کے نام پر انہیں جمہور کے سر تھوپا جاتا ہے۔ ان کے واضعین درحقیقت وہ چند افراد ہوتے ہیں۔ جو کابینہ (CABENAT) کے رکن ہوتے ہیں۔ کیبنٹ کا پیش کردہ مسودۂ قانون پارٹی کو لامحالہ منظور کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کو مسترد کرنے کے معنی ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ پر بے اعتمادی ظاہر کرنا۔ مختصر یہ کہ عوامی حکومت اور جمہور کے اقتدار اعلیٰ کے نعرے صرف نمائشی ہوتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ یہ اقتدار اعلیٰ چند افراد کے چھوٹے سے حلقے میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔

بیشک اسلام جمہوریت کا حامی ہے بلکہ بانی ہے۔ مگر اس کے معنی یہ ہیں۔

(۱) تمام انسان درجۂ انسانیت میں مساوی ہیں۔ وہ کالے ہوں یا گورے، عرب ہوں

یا عجم، مشرقی ہوں یا مغربی سب ایک ماں باپ کے اولاد ہیں۔

(۲) ایک انسان کا درجہ دوسرے انسان سے اگر بلند رہے تو وہ رنگ، نسل، دولت، ثروت یا کسی جغرافیائی بنیاد پر نہیں، بلکہ درجہ اگر بلند ہو سکتا ہے تو صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر اور اللہ تعالیٰ کے یہاں درجہ کی بلندی تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

(۳) بادشاہت، اقتدار اعلیٰ کو نسل اور خاندان کے تابع کرتی ہے۔ کہ باپ بادشاہ تھا۔ تو بیٹا بھی بادشاہ ہوگا۔ اسلام اس سے نفرت کرتا ہے۔ ملک الاملاک اور شاہنشاہ جو دنیا میں سب سے زیادہ باعظمت لفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے۔ (بخاری شریف) ص ۹۱۶

وہ اقتدار اعلیٰ کو صلاحیت اور قابلیت کے تابع کرتا ہے۔ سورہ ۲ (البقرہ آیت ۲۴۷)

(۴) ہر شخص ذمہ دار ہے وہ اپنی ذمہ داری کے بارے میں جوابدہ ہے۔ غریب ہو یا امیر۔ حاکم ہو یا محکوم۔

(۵) امام (سربراہ مملکت) مملکت کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے۔ مگر وہ مشورہ کا پابند ہے۔ اور مسلمانوں کے تمام معاملات مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

وضع قانون اگر کسی ایک شخص کو یہ حیثیت نہیں دی جا سکتی کہ وہ خلقِ خدا کا مالک ہو۔ اور جو کچھ وہ کہدے وہ قانون بن جائے اگر اسکو استبداد اور جبر و قہر کہا جاتا ہے تو چند افراد کو بھی یہ حیثیت نہیں ملنی چاہیئے۔ کہ وہ قانون ساز بن کر خلق خدا کی جانوں اور انکی ملکیتوں میں تصرف کریں۔ واضع قانون خود تصرّف نہیں کرتا کسی کو پھانسی، کسی کی جان بخشی، کسی

کے قید و بند، کسی کے مال ضبط کر لینے اور کسی پر جرمانہ کر دینے کا عمل وہ خود نہیں کرتا۔ مگر جب ان امور کے ضابطے اور قاعدے مقرر کر کے تصرف کرنے والے کے تصرف کو جائز قرار دیتا ہے۔ تو یہ خود ایسا عمل ہے جس کا دائرہ اثر اس کے اپنے تصرف سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

کسی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا ظالمانہ تصرف ہے۔ مگر اس کا مظلوم یعنی اس سے متاثر ہونے والا صرف ایک شخص ہے۔ مگر ایسا ضابطہ بنا دینا کہ فلاں عمل کرنے والے کو گولی مار دی جائے اور فلاں عمل کرنے والے کی جائیداد ضبط کر لی جائے۔ ایسا تصرف ہے جس کا تختۂ مشق ایک دو نہیں بلکہ لاتعداد اور بے شمار انسان ہوتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کسی آرڈیننس کا جاری کر دینا ایسا تصرف ہے جو پورے ملک کے تمام باشندوں کو متاثر کرتا ہے۔

اسلام جس طرح ملوکیت اور شہنشاہیت کو انسانی بھائی چارے اور انسانی مساوات کے خلاف سمجھتا ہے۔ وہ افراد انسان کی کسی کمیٹی کو بھی وضع دستور اساسی کا اختیار دینا مساوات انسانی کے خلاف سمجھتا ہے۔

ان کا علم محدود، مستقبل کی انکو خبر نہیں حال پر بھی انکو پورا اختیار نہیں، وہ انسانی طبقات کے مختلف جذبات سے ناواقف، فطری رجحانات جو ایک ہی نوع کے مختلف حلقوں میں ہوتے ہیں۔ ان سے بھی وہ پوری طرح باخبر نہیں، وہ اپنے جیسے انسانوں کے لئے قانون بنائیں۔ اور انکی گردنیں دستوری دفعات کے شکنجے میں کسیں۔ مساوات انسانی کا نازک نظریہ اس کو برداشت نہیں کرتا۔ اسی لئے وہ وضع قانون کا اختیار صرف اسکو دیتا ہے۔ جو حقیقی

مالک ہے اور چونکہ وہ خالق ہے۔ لہٰذا وہ ان تمام جذبات و رجحانات سے واقف ہے۔ جو انسانوں کے مختلف طبقات اور نوع انسان کی مختلف صنفوں میں ہوتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خالق و مالک ہے۔ اس کو حق ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔ اور جو چاہے ان کے لئے دستور بنائے۔

انسان کا انسان کے لئے قانون بنانا سراسر بے محل ایک طرح کا جبر و قہر ہے۔ اس لئے قرآن حکیم ان سب کو ظالم و فاسق یا کافر قرار دیتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے مرتب کردہ دستور اساسی کے خلاف کوئی دستور بنائیں۔ یا ایسے دستور کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ خداوندی کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کریں۔ (سورۃ مائدہ آیت ۴۴ تا ۴۷)

اس نظریہ اور فکر کے بموجب جب انسان کو قانون سازی کا حق نہیں ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے دائرہ اقتدار میں نہ دستور ساز اسمبلی ہوگی نہ آئین ساز کونسل نہ انکے انتخابات ہوں گے۔ اور نہ وہ بے پناہ مصارف ہوں گے۔ جو پارلیمنٹ، کونسل، ان کے عہدیداروں، وزراء اور منسٹروں پر ہوتے ہیں یا ان کے انتخابات کے سلسلے میں برداشت کئے جاتے ہیں۔

دستورِ اساسی

اسلامی نقطہ نظر سے قرآن حکیم دستورِ اساسی ہے جس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حضرات خلفائے راشدین کے طریقہ ہائے کار اور جماعتِ صحابہ کے طرز عمل نے کی۔ اسی کا نام الشریعۃ الدین اور السنۃ ہے۔

اسی دستورِ اساسی کی موجودگی میں کوئی اور دستور وضع نہیں کیا جائے گا. البتہ پیش آنے والے معاملات کے مطابق اسی دستور کے اصول مسلمہ سے ضابطے اور قاعدے اخذ کئے جائیں گے. اور ان کی روشنی میں معاملات کے فیصلے ہوں گے.

مجلسِ آئین ساز کے بجائے عدالت عالیہ:- اپنی جان، اپنا مال، غیر کی جان اور اس کا مال، رشتہ دار اور پڑوسی، شہری ملکی غیر ملکی، غیر مسلم وغیرہ کے حقوق، فرائض جرائم کی حیثیت، انکی سزائیں، جنگ و صلح کے بنیادی ضابطے، خرید و فروخت، ہبہ، عاریت اجارہ، تحفظ نسل، ازدواجی تعلقات وغیرہ کے ضابطے اور اصول قرآنِ حکیم اور سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے مقرر کر کے نوعِ انسان کو وضع دستور اور قانون سازی کی الجھنوں سے آسودہ اور انکی ذمہ داریوں سے سبک دوش کر دیا ہے. صرف وہ کام باقی ہے. جو کسی قانون کے پیشِ نظر عدالت کو کرنا پڑتا ہے.

پیش آنے والے معاملات میں ہماری عدالتیں پارلیمنٹ یا اسمبلی کے وضع کردہ دستور یا قانون کو تلاش کرتی ہیں. اس کا منشا سمجھتی ہیں. اور اس کی رہنمائی میں فیصلہ کرتی ہیں. اسلامی عدالتیں قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ کریں گی.

اراضی کی ملکیت، ملکیت کی نوعیت واجبات یعنی پیداوار کے سلسلے میں سرکاری مطالبات افتادہ اراضی، کانوں اور چشموں کی حیثیت پہاڑ، دریا، انکی قدرتی پیداوار وغیرہ کے متعلق سوالات پیدا ہوئے. امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ایک مجموعہ قانون مرتب کر دیا. جو کتاب الخراج کے نام سے مشہور ہے.

Scanned with CamScanner

خلافتِ عباسیہ کے دور میں اسی نے آئین کی حیثیت اختیار کر لی، پیش آنے والے سوالات کے متعلق مجلسِ قانون ساز کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ اسی آئین کے مضمرات سے جوابات اخذ کیے گئے اور انہیں کو بائی لاز (BYLYAWS) اور ضمنی قوانین کی حیثیت دی گئی۔

اسلامی نظامِ حکومت کا مقصد

دستورِ اساسی (کتاب اللہ و سنت رسول اللہ) اور عدالت عالیہ کے بعد معاملہ صرف نفاذ کا رہ جاتا ہے۔ جس کے لیے انتظامی عمل کی ضرورت ہے۔ مقننہ کی نہیں اسلامی حکومت کا پورا نظام اس لئے ہوتا ہے کہ قانونِ اسلامی کو نافذ کرے اور جو حکومت اس مقصد کے لئے ہو وہی اسلامی حکومت ہے۔

تشکیلِ حکومت اور سربراہِ مملکت

قرآن حکیم یا احادیثِ مقدسہ نے تشکیل حکومت کے لئے کوئی خاص ضابطہ مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ صرف ایک بنیادی تعلیم دی ہے۔ کہ سربراہ کا تقرر نسل اور خاندان کی بنیاد پر نہ ہو۔ اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر ہو یہ سربراہ کس طرح بنایا جائے۔ کتاب و سنت نے اس کو بھی موضوع بحث نہیں بنایا۔ البتہ سربراہ کے اوصاف بیان کر دیئے ہیں اور اس کے فرائض مقرر کر دیئے ہیں۔ اب۔۔۔۔

۱۔ اسلامی مملکت کا سربراہ عوام کی آراء سے بھی منتخب کیا جا سکتا ہے۔ شرط

یہ ہے کہ مدارِ انتخاب وہ اوصاف ہوں جو اسلامی مملکت کے سربراہ میں ہونے چاہئیے۔[1]

۲. یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سربراہ جو ان اوصاف کا حامل ہو انتخاب کے قصہ میں نہ پڑے اور خود اپنی جانب سے اپنا کوئی ایسا قائم مقام نامزد کر دے جو ان اوصاف کا حامل ہو اور عوام میں متعارف ہو۔

---

[1] اسلامی مملکت میں جملہ اختیارات ایک ہی کو دیئے جاتے ہیں۔ اس کو امام کہا جاتا ہے۔ جو پوری مملکت کا واحد سربراہ ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ وہ سربراہ اقتدار میں سب سے اعلیٰ ہو، تو تقویٰ، پرہیزگاری اور خدا ترسی میں بھی اس کو سب سے بلند ہونا چاہئیے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ علماء نے امام کے لئے چند شرطیں اس لئے قرار دی ہیں کہ حتی الامکان قرآن پاک کی تعلیم کو جامۂ عمل پہنایا جا سکے۔ مثلاً عاقل، بالغ، تندرست، صحیح الحواس صاحبِ ہمت، صاحب حوصلہ، صائب الرائے، سیاسی امور کا واقف و ماہر، جنگ و صلح کے نشیب و فراز سے باخبر، خلق خدا کا ہمدرد، نیز اس کا خیر خواہ، مختلف طبقات کے مزاجوں سے واقف ہونے کے علاوہ اہم شرط یہ ہے کہ اس میں عدل ہو یعنی پابند شرع ہو۔ اسلامی اخلاق کا حامل ہو، کبائر کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔ بتقاضائے بشریت گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے۔ کسی گناہِ صغیرہ کا عادی نہ ہو۔ عالم ہو اور اسلامی علوم میں بصیرت رکھتا ہو۔ (ازالۃ الخفاء، حجۃ اللہ البالغہ و شرح عقائد نسفی وغیرہ)

وزیر اعظم کی جو حیثیت آج کے جمہوری ممالک میں ہے کہ جو پارلیمنٹ یا اسمبلی میں جس سیاسی پارٹی کو اکثریت حاصل ہو اس کا لیڈر وزیر اعظم یا چیف منسٹر ہو۔ اسلامی تعلیمات میں اس طرز کی اگر مخالفت نہیں کی گئی تو اس کی ہدایت بھی نہیں کی گئی ہے۔

۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سربراہ جو اوصاف سربراہی کا صحیح طور پر حامل ہو اپنی جانب سے کچھ اہل الرائے حضرات کو نامزد کر دے کہ وہ آئندہ کے لئے کوئی سربراہ نامزد کر دیں۔ جو اوصاف سربراہی سے متصف ہو۔ اسلام جبر و قہر کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اگر کوئی اپنی طاقت کے بل بوتے پر سربراہ بن جائے تو مسلمان اس کی قیادت تسلیم کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور ایسے اوصاف کا جو فرائض ادا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

مشورہ اور ارکانِ مشورہ

(شوریٰ)

اسلام نے جس طرح تشکیل حکومت کو کسی خاص نوعیت کے ساتھ مخصوص کیا اسی طرح ارکانِ شوریٰ کے انتخاب یا نامزدگی کا بھی کوئی ضابطہ نہیں مقرر فرمایا اور واقعہ یہ ہے کہ جن امور کا تعلق الٰہیات (اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات) اور عبادات سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کا متعلق تجربات اور مشاہدات سے ہے۔ اسلام نے ان کے

نگرانی کو آزاد چھوڑا ہے۔ بہرحال اگر یہ ارکانِ شوریٰ کے انتخاب وغیرہ کے بارے میں کوئی ضابطہ مقرر نہیں کیا۔ مگر سربراہ پر یہ لازم کر دیا ہے۔ کہ وہ اپنے ہر ایک منصوبہ کے متعلق مشورہ کرے عمل کرنے کا عزم اس وقت کرے جب پہلے مشورہ کر لے۔

پہلے مشورہ۔ پھر خدا پر بھروسہ۔ ان دونوں کے بیچ میں عزم ہونا چاہیئے (سورۃ عمران آیت ۱۵۹)

پھر مشورہ کو یہاں تک اہمیت دی ہے۔ کہ اس معاملہ کو مسلمانوں کا معاملہ ہی نہیں قرار دیا جو آپس کے مشورہ سے طے نہ ہو (سورہ شوریٰ ۴۲ آیت ۳۸)

جبکہ مجلس شوریٰ کے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ۔

۱۔ ارکانِ شوریٰ کا انتخاب عوام کے رائے سے ہو۔ بشرطیکہ مدار انتخاب ان کے وہ اوصاف ہوں جو اسلامی مملکت کے مشیر کے ہونے چاہئیں۔

۲۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الگ الگ انتظامی حلقے ہوں اور ان حلقوں کے سربراہ پوری مملکت کے سربراہ کا انتخاب کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں کچھ حلقے ہوتے تھے۔ ان حلقوں کے سربراہ کو نقیب کہا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ ہوازن کے متعلق عوام کی رائے معلوم کرنی چاہی۔ تو مجمع عام میں جو پکار دیا گیا تھا کہ "ہم راضی ہیں" اس پر اعتماد نہیں فرمایا بلکہ ان عرفاء (امیرانِ قبیلہ یا محلہ) کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے طور پر اپنے حلقے میں فرداً فرداً ہر ایک کی رائے معلوم کریں جب انکی رپورٹیں موصول ہوگئیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا (بخاری شریف صـ۲۵۵) وغیرہ۔

۳۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سربراہ مملکت ان لوگوں کو خود نامزد کر دے جو ووٹنگ کے ذریعے نہیں۔ بلکہ اپنے اخلاق، کردار اپنی قابلیت اور صلاحیت اور خدمات کی وجہ سے اوپر آ چکے ہوں اور بہتر کردار کے مالک ہونے کی وجہ سے وہ ممتاز شخص بن چکے ہوں۔

۴۔ ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نامزد یا منتخب کسی کو بھی نہ کیا جائے بلکہ ہر پیش آنے والے معاملے میں، اس معاملے سے متعلق رکھنے والے صاحب بصیرت اور تجربہ کار حضرات کو دعوت دی جائے اور ان سے فیصلہ کرایا جائے۔

قرآن و سنت کے اشارات کے بموجب سب سے اہم اور سب سے بنیادی بات سربراہ کا تقویٰ ہے۔ اس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ نوع انسان اور خلق خدا کا ہمدرد ہو۔ صاحب بصیرت دیانت دار، باحوصلہ اور بیدار مغز ہو، اور فرائض کی لگن رکھتا ہو۔ اگر مملکت کو اس طرح کا سربراہ میسر آ گیا ہو تو نہ اس کو پارلیمنٹ کی ضرورت ہے نہ مجلس وزراء کی۔ خصوصاً ۳ و ۴ والی صورتیں اس وقت صحیح قرار دی جا سکتی ہیں۔ جب سربراہ میں اخلاص، کردار اور پاکبازی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ باخدا اور خدا ترس ڈکٹیٹر ہزاروں پارلیمنٹ اور اسمبلیوں سے بہتر ہے۔ خوفِ خدا نہ ہو تو سب بے کار۔

شوریٰ کا کام

بے شک دستور اور قانون بنانا شوریٰ سے متعلق نہیں ہے۔ مگر نفاذ دستور کے سلسلہ میں بہت سے مرحلے ایسے آتے ہیں۔ جب کو اگر شوریٰ کے بغیر امام اور سربراہ اپنی رائے

سے ہٹے کردے تو جبر و قہر اور استبداد قرار دیئے جائیں گے۔ ان میں نہ صرف شوریٰ کی ضرورت ہو گی۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہو گا کہ ارکانِ شوریٰ بارسوخ ہوں۔ عوام کے مزاج کو پہنچانتے ہوں۔ اور عوام بھی ان پر اعتماد کرتے ہوں۔ انکی رائے عوام کی رائے ہو اور فی الواقع عوام کے ترجمان ہوں۔

مثال صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس سے شوریٰ کی ضرورت، اسکی نوعیت اور اس کے فرائض کا اندازہ ہو جائے گا۔

سورہ ۸ انفال کی آیت ۶۰ کا مفاد یہ ہے کہ مسلمانوں کو بین الاقوامی سیاست کے اسٹیج پر اس طرح بالادست ہو کر رہنا چاہیئے کہ دوسری قومیں ان سے متاثر رہیں اور اس کے لئے جس قسم کے ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کو تیار رکھیں۔

آج دنیا میں روس اور امریکہ کے درمیان سرد جنگ جاری ہے، ہر ایک بلاک دوسرے کو مرعوب کر رہا ہے۔ یہ میدان مسلمانوں سے خالی ہے، بین الاقوامی سیاست میں مسلمانوں اور انکی تمام مملکتوں کا شمار پسماندہ اقوام میں ہوتا ہے۔ حاشا و کلا قرآن کریم مسلمانوں کے لیئے یہ ذلت گوارا نہیں کرتا۔ قرآن پاک کی تلقین یہ ہے کلمۃ اللہ ہی العلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ نعرہ دیا تھا۔ الاسلام یعلوا ولا یعلی علیہ (اسلام بلند ہو کر رہتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ دوسروں کو اسلام پر بلندی حاصل ہو) سائنسی تحقیقات اور ترقی کا کام دوسروں نے لے لیا۔ اسی راستہ سے وہ دنیا پہ چھائے ہوئے ہیں اور تمام دنیا کو مرعوب کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم

Scanned with CamScanner

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب اسلامی حکومت کو ایسا بیدار مغز ہونا چاہیئے کہ اس میدان میں بھی اسلام کا قدم سب سے آگے رہے۔ وہ کسی کے دست نگر نہ رہیں۔ دوسروں کو ان کا دست نگر رہنا چاہیئے۔

وہ اللہ کے سوا کسی دوسرے سے خائف نہ ہوں۔ دوسروں پر انکی دھاک رہنی چاہیئے۔ (سورہ نمبر ۹ تو آیت نمبر ۱۲۳)

اس ترقی اور برتری کے لیئے بہت زیادہ دولت کی ضرورت ہے، زکوۃ و صدقات اور عشر جو خوشحال مسلمانوں پر فرض ہوتے ہیں۔ وہ ضرورت مند عیال دار فقراء و مساکین کا حصہ ہیں۔ انکی رقومات ان مدات پر ہی خرچ کی جائیں گی۔ ترقی اور استحکام قوت کے مدات پر خرچ نہیں ہو سکتیں۔

خراج، جزیہ اور اسلامی تعلیم کے بموجب عشر زمین، درآمد و برآمد مال کے ٹیکس اور اسی طرح کے معینہ مدات کی آمدنی اگر ان ضرورتوں کے لیئے ناکافی ہو۔ (جو ترقی پذیر تعلیم و تربیت اور ریسرچ و تحقیقات اور سامان جنگ کی فراہمی وغیرہ کے سلسلے میں ہو رہا ہوں) تو مجلس شوریٰ یہاں اپنا فرض انجام دے گی۔ یعنی ماہرین کی امداد سے ذرائع آمدنی میں اضافہ کرے گی۔

ترقیاتی پلان اور منصوبے آج بھی پارلیمنٹ، اسمبلی یا مجلس وزراء نہیں بناتی۔ بنانے والے اور ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ انکی منظوری دیتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ شوریٰ کے ارکان وہ ماہر ہوں جو اس طرح کے منصوبے بنا سکیں۔ آخر ایسے ہی ماہرین کو شوریٰ کا (پارلیمنٹ) کا

ممبر کیوں نہیں بنایا جاتا کیا وہ عوام کی ضرورتوں اور رجحانات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ عوام کی نمائندگی کیوں نہیں کر سکتے؟

خسارہ کو پورا کرنے والا آمدنی کا ایک مد

قرآنِ حکیم نے ایک مستقل مد قرار دے دیا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ (راہِ خدا میں خرچ کرنا) چنانچہ سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیت کا آخری حصّہ یہ ہے۔

"اللہ کے راستے میں جو کچھ تم خرچ کروگے وہ تم کو پورا پورا ادا کیا جائے گا۔ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔) (انفال آیت ۶۰)

سورۂ ۴۷ محمدؐ کی آخری آیت ۳۸ کا مفہوم یہ ہے۔

"تم کو دعوت دی جارہی ہے کہ تم راہِ خدا میں خرچ کرو۔ تم میں سے کچھ وہ ہیں۔ جو اس دعوت کے جواب میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ (خرچ نہیں کرتے) دیکھو یہ اگر بخل کرتے ہیں تو اپنے سے (اپنے مفاد سے) بخل کر رہے ہیں۔ اللہ کو ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے۔

(اعلیٰ تعلیم، ترقی پذیر تربیت، سائنسی ایجادات و ترقیات یہ تمہاری ضرورتیں ہیں، تم ہی ضرورت مند ہو (خود تمہاری باعزت بقا کے لئے انکی ضرورت ہے۔)

اگر تم منہ موڑتے ہو تو تم ختم ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ میں کسی دوسری قوم کو کھڑا کرے گا۔ جو تم جیسی تن آسان فرض ناشناس اور مفاد پرست نہیں ہوگی۔

سورۂ ۲ بقرہ میں جنگ و قتال کے متعلق ہدایات دینے کے بعد ارشاد ہے۔

"خرچ کرو اللہ کے راستے میں اور نہ ڈالو اپنے آپکو اپنے ہاتھوں بربادی اور ہلاکت میں"۔ (آیت ۱۹۵)

قرآن حکیم میں اس انفاق فی سبیل اللہ کو "قرضِ حسنہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ گویا قومی یا ملی قرض ہوتا ہے۔ ہماری حکومتیں بھی قومی یا جنگی قرض لیتی ہیں۔ جن کا سود بھی ادا کرتی ہیں۔ مگر اس سود کے نتیجے میں ان قومی اور جنگی قرضوں کا حاصل یہ ہوتا ہے۔ کہ دولت مند جو قرض دینے والے ہیں۔ انکی دولت بڑھ جاتی ہے۔ اور اس تمام قرض کا بار ملک کے تمام غریب ٹیکس دینے والوں پر پڑتا ہے۔

دولت مند یہ قرض دیکر بظاہر قوم کی خدمت کر رہا ہے، لیکن فی الحقیقت قوم کا خون چوس رہا ہے۔ اور اپنی امیری بڑھا رہا ہے۔ قرآن حکیم جس قرض کا مطالبہ کرتا ہے اس کا کوئی بار غریب اور محنت کش طبقہ پر نہیں پڑتا۔ صرف دولتمند پہ اس کا بار پڑتا ہے۔ اسی کی گرہ میں سے اس کی تعالیس پونجی خرچ ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ وعدہ بھی ہے کہ "تم کو پورا پورا ادا کیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں ہوگا۔ (سورہ انفال آیت)

اس پورا پورا ادا کرنے کی شکل یہ ہے کہ ترقیات کے مفادات سے یہ دولتمند بھی بہرہ اندوز ہوں گے۔ چنانچہ!

جن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے ارشاد خداوندی کی تعمیل کرنے کے [illegible] خرچ کیا تھا۔ ان میں بہت سے وہ بھی تھے۔ کہ ثواب آخرت کے علاوہ

دُنیا میں بھی انکو پورا پورا بلکہ پورے سے بھی بہت زیادہ ادا کر دیا گیا۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی حالت ابتدا ء زمانہ میں یہ تھی کہ انکی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اونٹ کے چارے اور چولھے کے سوختے کے لئے گٹھلیوں وغیرہ کا بار دو تین میل کے فاصلہ سے خود اپنے سر پر رکھ لایا کرتی تھیں۔ مگر تقریبًا تیس ۳۰ سال بعد جب وہ شہید ہو گئے تو ان کا ترکہ پانچ کروڑ سے زیادہ کا تھا جو قطعًا جائز اور پاک آمدنی سے حاصل ہوا تھا۔ جبکہ تمام غزوات میں پیش پیش رہے تھے۔ اور کروڑوں درہم راہِ خدا میں خرچ کئے تھے۔

(بخاری شریف ص۱۱۱ و ص۲۲۲)

دوسری شکل

اور پورا پورا ادا کرنے کی دوسری شکل یہی ہے کہ اللہ تعالٰے کے یہاں ان کے اندازے اتنے بڑھائے جائیں کہ ان کا اندازہ لگانا مشکل ہو وہ اس زمرہ میں ہوں جن کو اللہ تعالٰے نے انبیاء علیہم السلام کی طرح "منعم علیہم" فرمایا ہے۔ اور انکی ابدی حیات کی بشارت دی ہے۔

بہر حال اس قرض کی ادائیگی باشندگانِ ملک کی جیب سے نہیں ہوگی۔ ارکانِ شوریٰ کا فرض ہوگا کہ اسلامی مملکت کی ترقی پذیر ضرورتوں کا جائزہ لیں، ان کا بجٹ بنائیں۔ بجٹ کو پورا کرنے کے لئے قرضِ حسنہ حاصل کریں۔ دولتمندوں کا فرض ہوگا کہ جو ان کے ذمہ کیا جائے وہ اس کو خوش دلی سے ادا کریں۔ یہ ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ہوگا۔ زکوٰۃ کی

طرح اس کی ادائیگی بھی فرض ہوگی۔ اور زکوٰۃ کیطرح اس کا ثواب بھی بیش از بیش ہوگا۔ جس کی تائید بے شمار آیات اور احادیث سے ہوتی ہے۔

اس قرض للہ اور فی سبیل اللہ کی شرح کیا ہوگی۔ اگر امام از خود کسی آرڈیننس سے طے کر دیتا ہے۔ تو ایک طرح کا جبر ہوگا۔ لیکن اگر ارکان شوریٰ جو بااثر اور بیدار شعور بھی ہوں وہ طے کرتے ہیں۔ تو سب کے لئے قابل برداشت ہوگا۔

اسی طرح ترقی پذیر اعلیٰ تعلیم اور تربیت کی ضرورتیں ہیں۔ ان کے مصارف بھی ایسی ہی آمدنی یا قرض للہ پورے کئے جائیں گے۔ شوریٰ کا فرض ہوگا کہ ان تمام ضرورتوں کا جائزہ لے کر بجٹ بنائے۔ ممکن ہے اس کو قانون سازی کہہ دیا جائے۔ مگر ہمارے خیال میں یہ قانون اور "لا" نہیں بلکہ یہ حکم خداوندی کے نافذ کرنے کی صورتیں ہیں۔

دولت کا اندازہ

زکوٰۃ کی رقم ان مدات میں صرف نہیں کی جائے گی۔ البتہ زکوٰۃ سے دولت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس نے ایک ہزار روپیہ زکوٰۃ میں دیا ہے اس کا کل اثاثہ چالیس ہزار ہوگا۔ بہرحال اس قسم کے کام ہوں گے جن کو ارکان شوریٰ زیر قیادت امام انجام دیں گے دیہ ہے اسلامی نظام حکومت کا مختصر خاکہ۔

اس تاریخی حقیقت پر سلسلہ کلام کو ختم کیا جاتا ہے۔ کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث کئے گئے تھے۔ سب سے پہلے آپؐ ہی نے دفاع کے لئے خندق کی تجویز منظور فرمائی۔ عرب اس سے قطعاً ناآشنا تھے۔ جب حملہ آوروں نے جن میں پورے عرب کے قبائل تھے۔ دفاع کا یہ نیا طریقہ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ اگرچہ فتح نصرتِ خداوندی سے ہوئی مگر یہ خندق دشمن کی ناکامی کا پیش خیمہ بن گئی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے سب سے پہلے منجنیق اور دبابہ کو استعمال کرایا۔ جب آپؐ قلعہ طائف پر حملہ کر رہے تھے۔ یہ اس زمانے کے ترقی یافتہ آلاتِ حرب تھے۔ جن کو تاریخ اسلام میں سب سے پہلے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال فرمایا۔ کیونکہ مقصد رحمت اس وقت تک پورا نہیں ہوتا۔ جب تک ظلم کی طاقتیں پامال نہ ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ تمام عالم پر چترِ رحمت اسی وقت سایہ فگن ہو سکتا ہے۔ جب بین الاقوامی سیاست میں بالادستی اور شانِ قیادت حاصل ہو ہم سود کو بدترین ظلم سمجھتے ہیں مگر ہم تمام احتیاطوں کے باوجود سود لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں۔ کیونکہ جس اقتصادی نظام میں ہم جکڑ بند ہیں وہ بینک سسٹم ہیں اور جب تک اقتصادیات عالم کی باگ دوڑ آپ کے ہاتھ میں نہ ہو آپ بینک سسٹم ختم کر کے کوئی متبادل نظام قائم نہیں کر سکتے۔

سود کے متعلق قرآن حکیم کا فیصلہ دستورِ اساسی کی ایک دفعہ ہے۔ مجلس شوریٰ

Scanned with CamScanner

اس میں تبدیلی نہیں کر سکتی۔ البتہ متبادل صورتیں طے کرنا اور نافذ کرنا اس کا فرض ہوگا۔ مگر افسوس اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی کوئی حکومت بھی اس قابل نہیں کہ بین الاقوامی سیاست پر اثر انداز ہو سکے اور افسوس یہ ہے کہ ان کو اس کا احساس بھی نہیں کہ حامل قرآن ہونے کی حیثیت سے ان کا کیا فرض ہے۔"

والی اللہ المشتکی

محمد میاں

۸؍ جمادی الاخری ۱۳۸۹ھ

۲۲؍ اگست ۱۹۶۹ء

چند اہم انقلابی کتابیں

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی

انسانیت موت کے دروازے پر

ترجمان القرآن

پیغام

شواہد تقدس اور تردید الزامات

محمد رسول اللہ، سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ

دورِ حاضر کے سیاسی اور اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات اور اشارات

تحریک شیخ الہند کا ایک اہم باب "اسیران مالٹا"

علماءِ ہند کا شاندار ماضی

تاریخ الاسلام

مجالس سبعہ

اخلاق اور فلسفہ اخلاق

قصص القرآن

اسلام کا اقتصادی نظام

اقبال کے ممدوح علماء

اختلاف امت اور صراط مستقیم

لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر

اسلام کا زرعی نظام

خاطرات (آپ بیتی)

غبارِ خاطر

مولانا ابوالکلام آزاد

شیخ الہند کے حیرت انگیز واقعات

تحریک شیخ الہند

شاہ عبدالعزیز اور اُن کی تعلیمات

مولانا ابوالکلام آزاد برصغیر پاک و ہند کے بارے میں کیا کہا تھا؟

تاریخ دارالعلوم دیوبند

ارمغان آزاد

منصب امامت

حیات امیر شریعت (عطاء اللہ شاہ بخاری)

فلسفہ ختم نبوت

شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات

سائنس اور اسلام

ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست

خطبات مدنی

جواہرات

شعور

دین اسلام

زندگی

مولانا عبید اللہ انور شخصیت اور جدوجہد

مقدمات و بیانات اکابر

قیام دار العلوم دیوبند

ایشیا کا عظیم انقلابی لیڈر (شیخ الہند)

تحریک پاکستان پر ایک نظر

جمال عبد الناصر

روداد برصغیر

شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے

سیرت رسولؐ

قول فیصل

کشف حقیقت

نقش حیات

مودودی دستور اور عقاید کی حقیقت

خطبات و مقالات عبید اللہ سندھی

تحریک پاکستان کا ایک باب

مسلمان اقوام کے زوال کے اسباب

فتنہ مودودیت

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

قرآنی دستور انقلاب

اصول انقلاب

قرآنی فکر انقلاب

" جنگ انقلاب

" عنوان انقلاب

" حزب انقلاب

بیس بڑے مسلمان

برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علما کا کردار

جمعیت علماء ہند کی دستاویزات

جینے کا حق

بصائر

۱۸۵۷ء کے مجاہد

تحفۃ الہند

خطبات الہند مع تحریک ریشمی رومال

Scanned with CamScanner

شاہ ولی اللہؒ کے افکار کا ترجمان ادارہ جہالت کے اندھیروں سے برسر پیکار حکمت ولی الٰہی کا اشاعتی ادارہ الجمعیۃ اکیڈمی پشاور، شیخ الہند مولانا محمود حسن، شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ امام انقلاب بطل حریت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مورخ اعظم مولانا محمد میاںؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی نظریاتی کتب علماء حق اور جملہ کتب کے علاوہ دینی، سیاسی، معاشی، انقلابی، تاریخی و تبلیغی کتب ہر قسم چھپائی، لیٹر پیڈ، بیجز، رِنگ ڈائریاں، کیلنڈر، جھنڈے، جھنڈوں کے تھان، ٹیلی فون انڈکس پرس، بال پوائنٹس، سٹیکرز، پمفلٹس، فلکس، تمام پارٹیوں کے تشہیری مواد، علماء حق کے رسائل تھوک اور پرچون نرخوں پر دستیاب ہیں۔

ملنے کا پتہ:

حاجی احسان الحق ناظم الجمعیۃ اکیڈمی

محلہ جنگی پشت قصہ خوانی بازار پشاور

رابطہ نمبر:

091-2215124

0300-5907002

0311-5907002